# کفن" اور "مندری": ایک تقابلی مطالعہ

## 'Kafan' and 'Munddari': A Comparative Study

ڈاکٹر اقلیمہ ناز

لیکچرر شعبۂ اردو، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی

ڈاکٹر غلام فریدہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد

**Abstract**

'kafan' is a famous short story written by Munshi Praym Chand. The basic premise of the story is about economic distinctiveness of an extorted society. 'Munddari' is written by a modern short story writer Shafique Anjum. The central idea of story is about selfishness that is a product of unfair social structure of soiety. A comparative analysis of both the short stories has been carried out in this article.

Key Words: Afsana, comparative, prem chand, society, kafan

کلیدی الفاظ: افسانہ، تقابل، پریم چند، سماج، کفن

---

تقابلی مطالعہ ہر دور میں مختلف حوالوں سے اہمیت کا حامل رہا۔ یہ تقابلی جائزہ کہیں ہم عصر ادیبوں کے فن پاروں کے موازنے کی صورت میں تو کہیں قدیم اور جدید ادیبوں کے مابین ایک فکری اور موضوعاتی سطح پر وقوع پذیر ہوا۔ کہیں اس کی ضرورت مختلف ادوار کے تقابل کی صورت میں سامنے آئی۔ تاہم ہر سطح پر مختلف حوالوں سے اختلاف کی نوعیت بھی ظاہر ہوتی رہی لیکن اس تقابل سے کسی ادیب، ادب یا دور کو چھوٹا، بڑا، کمتر یا برتر ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ تقابلی مطالعے سے ادب میں نئے حوالے اور صحت مند رویے ابھرتے رہے جو زیادہ وسعتِ مطالعہ اور غور و فکر کی ضرورت اور صلاحیت کو جنم دینے کا باعث بنے۔

"کفن" اور "مندری" کا تقابلی مطالعہ پیش کرنے سے پیشتر دونوں افسانہ نگاروں کے سوانحی حالات اور افسانوں کا مختصراً جائزہ پیش ہے تاکہ افسانوں کی بہتر تفہیم ممکن ہو سکے۔

منشی دھنپت رائے جو اردو ادب میں پریم چند کے نام سے پہچانے جاتے ہیں، 1880ء میں ضلع بنارس (بھارت) کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم مکتب سے حاصل کی۔ چھوٹی عمر میں ہی والدہ کے انتقال کے بعد باپ نے دوسری شادی کر لی۔ خود ان کی شادی

پندرہ سال کی عمر میں ہو گئی۔ گھر میں غربت کے ڈیرے تھے۔ میٹرک کے بعد تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا دشوار تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد سوتیلی ماں اور جوان بیوی کا بار اکیلے پریم چند کے کندھوں پر آن پڑا۔ ان کی پہلی ملازمت ایک پرائمری سکول ماسٹر کی تھی۔ ساتھ ساتھ پرائیویٹ ایف۔ اے اور بی۔ اے کیا۔ انگریزی ادب کا مطالعہ بڑے ذوق و شوق سے کرتے تھے جو آگے چل کر ان کی افسانہ نویسی اور ناول نگاری کی بنیاد بنا۔ ملازمت میں ڈپٹی انسپکٹر تک گئے۔ چونکہ نوکری ان کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھی اس لیے سرکاری ملازمت کو خیر باد کہا اور یکسوئی سے افسانہ نویسی اور ناول نگاری کی جانب توجہ مبذول کر لی۔

ان کی ادبی زندگی کا آغاز 1901ء سے ہو گیا تھا اور اوّلین افسانوی مجموعہ "سوزِ وطن" کے نام سے 1908ء میں شائع ہوا۔ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ناول اور افسانے لکھے۔ ان کے افسانوی موضوعات ان کے زمانے کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات ہیں۔ منشی پریم چند کو بالاتفاق اردو کا سب سے پہلا افسانہ نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔

> "اردو افسانہ نگاری میں پریم چند کا نام ایک معتبر حوالے کے طور پر لیا جاتا ہے ایک حقیقت نگار کے طور پر اسے ایک خاص مقام حاصل ہے۔۔۔ وہ کبھی زندگی کی تلخ حقیقتوں سے انحراف نہیں کرتے۔"۱

پریم چند کے افسانہ "کفن" کا مرکزی خیال وہ استحصال ہے جو طبقاتی نظام کے تحت چھوٹے طبقے سے روا رکھا گیا۔ گھیسو اور مادھو ایسے ہی طبقے سے تعلق رکھنے والے باپ بیٹا ہیں جو بھوک اور افلاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر انسانی بے بسی اور اخلاقی پستی کا شکار ہو چکے ہیں۔ "کفن" کی کہانی تین افراد باپ، بیٹا اور بہو پر مشتمل ایک خاندان کی ہے۔ باپ اور بیٹا انتہائی سست اور کاہل الوجود ہیں۔ دونوں بہو کے ٹکروں پر پل رہے ہیں لیکن اسے ذرا بھر اہمیت نہیں دیتے۔ ان کی بے حسی اور اخلاقی پستی کو پریم چند نے موضوع بنایا ہے۔ ایک رات جب بدھیا دردِ زہ سے کوٹھری میں تڑپ رہی تھی تو یہ دونوں باپ بیٹا چوری کے آلو بھون بھون کر کھا رہے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی اس کی مدد کے لیے تیار نہ تھا کہ کہیں اس کی غیر موجودگی میں دوسرا آلو زیادہ نہ کھا جائے یوں دونوں کھاتے کھاتے وہیں سو گئے جبکہ عورت اندر تڑپ تڑپ کے بچے کو پیٹ میں ہی لیے جان ہار بیٹھی۔ صبح اٹھ کر دونوں نے چیخ و پکار شروع کر دی یہاں تک کہ لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اب معاملہ کفن دلانے اور لاش جلانے کا تھا۔ باپ بیٹا دونوں نے انتہائی بے غیرتی سے لوگوں سے منت سماجت کر کے پیسے اکٹھے کیے اور کفن خریدنے کے لیے بازار چلے گئے۔ وہاں انھوں نے ان پیسوں سے شراب خرید کر پی اور خوب مزے کیے۔ اس موقعے پر مادھو کا ضمیر تھوڑی دیر کے لیے کچوکے لگاتا ہے اور وہ نشے میں باپ سے اپنی اس حرکت پر پشیمانی کا اظہار کرتا ہے "بیچاری نے جندگی میں بڑا دکھ بھوگا۔ مری بھی کتنا دکھ جھیل کر"۲ لیکن گھیسو کو اس بہیمانہ حرکت پر ذرا برابر بھی ملال نہیں تھا۔ وہ بیٹے کو تسلی دینے کے لیے انتہائی تشفی آمیز الفاظ کا استعمال کرتا ہے جس سے بیٹے کا ضمیر مطمئن ہو جاتا ہے۔ "کیوں روتا ہے بیٹا! کھس ہو کہ مایا جال سے مکت ہو گئی، جنجال سے چھوٹ گئی۔ بڑی بھاگوان تھی، جو اتنی جلدی مایا موہ کے بندھن توڑ دیے۔"۳ انھیں یقین تھا کہ لوگ تھوڑے انتظار کے بعد اس کی آخری رسومات خود ہی ادا کر دیں گے۔ چنانچہ دونوں وہیں نشے سے بدمست ہو کر گر جاتے ہیں۔

شفیق انجم دورِ جدید کے افسانہ نگاروں میں ایک نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ ان کی پیدائش 1979ء میں میرپور آزاد کشمیر (پاکستان) میں ہوئی۔ شفیق انجم کے ادبی سفر کا آغاز 1907ء میں ہوا۔ ان کے اب تک دو افسانوی مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ "میں + میں" ان کا پہلا افسانوی مجموعہ جون 2008ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ 2021ء تک انھوں نے ڈیڑھ درجن سے زائد کتب تصنیف کیں جن میں مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا۔ مزید تحقیقی و تنقیدی نگارشات زیرِ اشاعت ہیں۔

"شفیق انجم افسانہ نگاروں کی نئی نسل میں ایک نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ ان کے افسانوں کی نمایاں خصوصیت افسانے کے فنی لوازمات کی طرف ان کا دھیان ہے، جن کا وہ اپنے افسانے میں خاص طور پر اہتمام کرتے ہیں۔"۴

شفیق انجم کا افسانہ "مندری" ان کے افسانوی مجموعے "میں + میں" کا آخری افسانہ ہے جس میں کفن کی طرح سماجی ڈھانچے کے بطن سے پیدا ہونے والی بے حسی اور بے ضمیری کو مرکزی نقطہ بنایا گیا ہے۔ شہر سے باہر ایک جھونپڑی میں تین افراد بوڑھا ماجھا، اس کا بیٹا سونا اور ایک لڑکی مندری غربت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ماجھے کی عمر قریباً ساٹھ سال، انتہائی نحیف جبکہ بیٹا پچیس سال کا، باپ کی مشابہت لیے ہوئے تھا۔ مندری ایک لاوارث لڑکی تھی جسے ماجھا بچپن میں ایک کوڑے کے ڈھیر سے اُٹھا لایا تھا۔ ماجھا اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا اس لیے وہ کمانے کے قابل نہ تھا۔ سونا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا۔ چمار خاندان سے تعلق کے باعث اسے کہیں نوکری نہیں ملتی تھی۔ مندری کہیں سے مانگ تانگ کے لاتی اور تینوں اس سے اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ ماجھے نے اپنی زندگی میں ہی سونے اور مندری کی سادگی سے شادی کر دی۔ ماجھے کی وفات کے بعد دونوں میاں بیوی نے محنت سے روزی کمانے کا تہیہ کیا۔ چنانچہ دونوں پورے شہر سے دن بھر کوڑا جمع کرتے اور اسے بلدیہ کے ہاتھوں دس روپے فی من فروخت کر دیتے۔ دونوں نے اس طریقے سے کئی ہزار روپے اکٹھے کر لیے اور ان کا گزر بسر اچھا ہونے لگا۔ ایک روز کام کے دوران مندری کی طبیعت خراب ہوئی تو اسے مجبوراً ہسپتال لے کر جانا پڑا۔ ان کی ظاہری صورت ایسی تھی کہ کوئی ڈاکٹر معائنے کے لیے تیار نہ تھا۔ بڑی منت ساجت سے ایک لیڈی ڈاکٹر اس کا علاج کرنے پر رضامند ہوئی۔ مندری کی حالت انتہائی مخدوش تھی لہٰذا لیڈی ڈاکٹر نے اس کا فوری آپریشن کرنے کا فیصلہ کیا اور ساتھ ہی سونے کو دوائیوں کی ایک لمبی لسٹ بھی دی۔ سونے نے وہ دوائیاں خریدیں تو کوڑے کے ڈھیر سے اکٹھی کی ہوئی ساری رقم پل میں اُڑ گئی اب وہ پھر خالی ہاتھ تھا۔ اسی دوران مندری موت اور زندگی کی کشمکش کی منزل عبور کرنے کے بعد خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ سونے کے پاس اس کے کفن دفن کے لیے کوئی رقم نہ تھی۔ پہلے تو اس نے اسے اپنے باپ کی طرح زمین میں خاموشی سے دبا دینے کا سوچا مگر اچانک اس کے ذہن نے پلٹا کھایا۔ اس نے اسے دفنانے کی بجائے کوڑے کے ڈھیر کے ساتھ فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ "صبح ہفتے بھر کے جمع شدہ کوڑے کا وزن ہونا تھا۔۔۔ وہ سوچنے لگا۔۔۔ بہت کم ہوئی تب بھی دو من تو ہو گی۔"۵

اشتراکات:

۱۔ دونوں افسانوں کے کردار چماروں کے کنبے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چمار شودروں کی سب سے نچلی سطح کے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ معاشرے کے پسے ہوئے لوگ ہیں جن سے عام ہندو راہ و رسم تو دور کی بات علیک سلیک رکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں افسانوں کے کردار معاشرے میں ایک سے مقام اور مسائل کا شکار ہیں۔

۲۔ پلاٹ سے مراد ایسا خاکہ ہے جو افسانہ نویس کے ذہن میں بنتا ہے جسے وہ منطقی ترتیب اور تدریجی ارتقاء کے ساتھ انجام تک لے جاتا ہے۔ اس کے لیے واقعات میں قدرتی ربط کا ہونا لازم ہے۔ افسانہ "مندری" کا پلاٹ بالکل سادہ ہے۔ خطِ مستقیم کی طرح کہانی ایک سرے سے شروع ہو کر دوسرے پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا پلاٹ ابتداء، وسط اور اختتام کے لحاظ سے باہم مربوط ہے۔ تمام واقعات آپس میں کڑیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ پلاٹ میں زمان و مکاں کا عنصر موجود ہے۔ وہی دھیما پن جو پلاٹ کو آہستہ آہستہ آگے بڑھاتا نظر آتا ہے۔ پوری کہانی میں بیانیہ انداز اپنایا گیا ہے۔

دوسری طرف "کفن" میں بھی پلاٹ مربوط ہے۔ پریم چند نے کہانی کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور پھر تینوں کو اس طرح جوڑا کہ ایک مخصوص فنی تعمیر کا احساس ہوتا ہے۔ کہانی میں ربط کا بخوبی التزام کیا گیا ہے۔ کہیں پر جھول نہیں نظر آتا۔ افسانے میں بیانیہ تکنیک کے ساتھ مکالماتی، طنزیہ (IRONY) اور شعور کی رو بھی ملتی ہے۔ بقول ڈاکٹر فوزیہ اسلم

"کفن میں فوٹو گرافی، شعور کی رو اور بیانیہ کی تکنیکیں برتی گئی ہیں، جس میں طنز IRONY اور تجسس کہانی کی صورت حال، کرداروں کے رویوں، برتاؤ اور مکالموں میں جگہ جگہ ملتا ہے۔"۶

۳۔ دونوں کہانیاں طنز کی نہایت عمدہ مثال ہیں۔ طنز میں لفظوں یا جملوں کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ اس صورتِ حال میں مضمر کسی المیاتی واقعے یا آنکھوں سے اوجھل حقیقت کے کسی دردناک پہلو پر طنزیہ وار مقصود ہوتا ہے۔ اس طنز کا نشانہ کبھی دولت مند طبقے کی طرف تو کبھی ہمارے سماجی نظام کی طرف ہوتا ہے۔ افسانہ "کفن" میں طنز کا عنصر بہت نمایاں اور حاوی ہے۔ یہ طنز کبھی توراوی کے بیانات سے تو کبھی کرداروں کی زبانی ابھر کر سامنے آتا ہے۔ پورا افسانہ سماج پر گہرے طنز کی حیثیت رکھتا ہے وہ سماج جس میں طبقات کی تقسیم ذات پات اور معاشی بنیادوں پر کی گئی ہے او رافسانے میں موجود افراد کی بے حسی اور بے ضمیری اسی سماجی ڈھانچے کی عطا کردہ ہے۔ کرداروں کی گفتگو طنز میں بجھے ہوئے نشتر ہیں جو انسان کی ریاکاری، دھوکہ دہی، خود فریبی اور نفسیاتی خواہشات کا پردہ چاک کرتی ہے اور اس صورتحال کو آشکار کرتے ہیں کہ انسان کس طرح جسم اور روح کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے خود کو دھوکہ دیتا ہے۔ کہانی کے آخری حصے میں صورتِ حال میں مضمر طنز اپنے انتہا پر پہنچتا دکھائی دیتا ہے جب دونوں باپ بیٹا کفن خریدنے کی بجائے شراب خانے میں چلے جاتے ہیں۔ وہاں ان کی گفتگو ملاحظہ ہو۔

"کیسا برا رواج ہے کہ جسے جیتے جی تن ڈھانکنے کو چیتھڑا بھی نہ ملے، اسے مرنے پر نیا کپھن چاہیے۔
کپھن لاش کے ساتھ جل ہی تو جاتا ہے۔
اور کیا رکھا ہے۔ یہی پانچ روپے ملتے تو کچھ دوادارو کرتے۔"۷

افسانہ "مندری" میں بھی کرداروں کے مکالموں کے ذریعے طبقاتی سماج میں ہونے والی بے رحمیوں اور ناانصافیوں پر طنزیہ گفتگو ملتی ہے۔ ماجھے کی موت کے بعد مندری اور سونے کی گفتگو ملاحظہ ہو۔

"ہائے اللہ اس نے مجھے پالا پوسا لیکن میں اسے کچھ بھی نہ دے سکی۔ اس کا کفن تک نہ بن سکا۔
کچھ اسی طرح کے خیالات سونے کے بھی تھے۔ کیا ہمارے ساتھ بھی یہی ہو گا۔ ہم بھی یونہی
کھپ مریں گے۔ کیا ہماری قسمت میں یہی لکھا ہے۔ نہ نہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"۸

۴۔ کہانی کا سارادارومدار کرداروں پر ہے۔ کردار جتنے مضبوط، جاندار اور حقیقی ہوں گے، کہانی اتنی ہی جاندار، خوبصورت اور دلچسپ ہو گی۔ "کفن" اور "مندری" دونوں افسانوں کی کردار نگاری نہایت مضبوط ہے۔ کسی جگہ خیال نہیں پیدا ہوتا کہ کردار کمزور ہیں۔ کرداروں میں فطری ربط اور توازن ہے۔ یہ معاشرتی ناانصافیوں کی چکی میں پسے ہوئے کردار ہیں۔ یہ بھوک اور افلاس کے مارے ہوئے مظلوم کردار ہیں جو زندگی کے سفر کو نہ چاہتے ہوئے بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ طبقاتی تقسیم کے ہاتھوں معاشرے کے پامال شدہ کردار ہیں۔

شفیق انجم نے "مندری" میں نچلے طبقے کے کچلے ہوئے لوگوں کو موضوع بنایا ہے۔ یہ کردار ہمارے ملک کے اندر موجود تیسری دنیا کے مصائب زدہ اور مفلوک الحال لوگ ہیں جو بیسویں صدی میں سانس لینے کے باوجود تاریک صدیوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور موہوم امیدوں کو دل میں بسائے زندگی گزار دیتے ہیں۔

"کفن" میں گھیسو اور مادھو کا کردار روایتی شراب نوشوں کا ہے جو شراب حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں۔ بدھیا کا کردار معاشرے کے ان مظلوم افراد کا دکھایا گیا ہے جو ظلم کی چکی میں پستے چلے جاتے ہیں اور ان کی زندگی ایک دکھ درد کی علامت بن جاتی ہے۔ گھیسو اور مادھو کا کردار ان بدکردار لوگوں کی عکاسی کرتا ہے جو اپنے مطلب کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتے ہیں۔

۵۔ دونوں افسانوں کی زبان بالکل سادہ اور رواں ہے۔ کرداروں کے معاشرے میں منصب و مرتبے کے مطابق زبان کا استعمال کیا گیا ہے۔ افسانہ "کفن" کے کردار دیہات کے باشندے ہیں اس لیے ان کے ہاں زبان کی سادگی اور اسی دیہاتی لب و لہجے میں گفتگو کا انداز روا رکھا گیا ہے۔ زبان و بیان کی برجستگی خوب ہے، درست وقت پر درست الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ افسانے میں کہیں کہیں محاورات کا بھی استعمال دکھائی دیتا ہے۔

"اب کوئی کیا کھلائے گا۔ وہ جمانا دوسرا تھا۔ اب تو سب کو کپھایت سوجھتی ہے۔ سادی بیاہ میں
مت کھرچ کرو، کریا کرم میں مت کھرچ کرو، پوچھو، گریبوں کا مال بٹور بٹور کہاں رکھو گے؟ مگر
بٹورنے میں تو کمی نہیں ہے۔ ہاں، کھرچ میں کپھایت سوجھتی ہے۔"۹

"مندری" میں بھی زبان و بیان کی سادگی ہے جو پڑھنے والے کو کسی جگہ پریشانی نہیں ہونے دیتی۔ کہانی میں کرداروں کی زبان ان کے مخصوص طبقے کی نمائندگی کرتی ہے۔

"سونا پوچھ رہا تھا۔ اری مندری تجھے کا ہوا رے! وہ بولی سونے مجھے گھر لے چل میرے پیٹ میں
کچھ ہووت ہے، سر گھومے ہے۔۔۔"10

۶۔ دونوں افسانے معاشرتی افسانوں کی ذیل میں آتے ہیں جس میں کردار یا واقعہ کی بجائے کوئی خاص ماحول یا کسی خاص دور یا طبقے کی معاشرت کو نمایاں کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ اس میں جو کردار یا واقعات لائے جاتے ہیں۔ وہ اسی ماحول یا معاشرت کو نمایاں کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ دونوں افسانوں میں معاشرے کی کوکھ سے جنم لینے والی انسانی بے حسی اور بے ضمیری کو موضوع بنایا گیا ہے۔

۷۔ پریم چند نے کفن میں انسانی فطرت کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ انسان کا بنیادی مسئلہ پیٹ کا مسئلہ ہے جہاں بھوک اور افلاس غلبہ پاتی ہے وہاں زندگی کے دیگر تقاضے اور اخلاقی اقدار مٹ جاتی ہیں اور یہی مفلسی جرائم کو جنم دیتی ہے۔ گھیسو اور مادھو بھی اسی فطری تقاضے کی تکمیل کے لیے انسانیت اور اخلاقیات کو پس پشت ڈال کر اپنے پیٹ کی آگ بجھاتے ہیں۔

"انھوں نے کفن میں جس جرأت کے ساتھ انسانی فطرت کو بے نقاب کیا ہے وہ ان کے فن کا
کمال بھی ہے اور نقطۂ نظر کا اظہار بھی۔ آپ نے کفن کے بنیادی کرداروں "گھیسو" اور
"مادھو" کے باطن میں گھس کر فطرت کو بے نقاب کیا۔"۱۱

جبکہ افسانہ "مندری" میں بھی شفیق انجم نے اسی اخلاقی ابتری کو نمایاں کیا ہے جو بے حسی اور بے بسی کی فضا سے جنم لیتی ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ ہوس اور لالچ کی آگ میں جل کر اپنے حقیقی رشتوں سے بھی انحراف کرنے لگتا ہے یہاں ایسی صورتحال جنم لیتی ہے جس میں انسانیت کوڑیوں کے مول بکنے لگتی ہے اور ہمدردی، رحمدلی کا وہ جذبہ جو معاشرتی قدروں کی اساس ہے مٹ کر رہ جاتا ہے۔

۸۔ دونوں افسانوں کا انجام المیاتی ہے۔"مندری" میں انجام قاری کے لیے چونکا دینے والا ثابت ہوتا ہے۔ افسانے کا آخری جملہ قاری کے ذہن میں بہت سے سوالات چھوڑ جاتا ہے۔ کہانی تو اختتام پذیر ہو جاتی ہے مگر بے ساکت و جامد قاری یہ سوچتا رہ جاتا ہے کہ غربت و افلاس انسان کو کس قدر بے حس و بے ضمیر بنا دیتی ہے کہ خونی رشتوں کی اہمیت سے بھی ناواقف ہو جاتا ہے۔"مندری" کا اختتام یوں ہوتا ہے۔

"اسے خیال آیا کہ کیوں نہ ماجھے کی طرح اسے بھی گڑھا کھود کر دبا دے لیکن اچانک ایک اور خیال نے اس کے دل میں کروٹ لی۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ اٹھا اور ایک پرانے بوریے میں مندری کی لاش ڈال کر اوپر سے گرہ لگا دی۔۔۔ صبح ہفتے بھر کے جمع شدہ کوڑے کا وزن ہونا تھا۔۔۔ وہ سوچنے لگا۔۔۔ بہت کم ہوئی تب بھی دو من تو ہو گی۔"12

افسانہ "کفن" کے شروع میں جو المیاتی تصویر پیش کی گئی وہ قاری کو جھنجھوڑ دینے کے لیے کافی تھی اور قاری یہ سوچ کر کہانی جلدی جلدی ختم کرتا ہے کہ شاید ان باپ بیٹے کا ضمیر جاگ اٹھے مگر ان کی کمینگی اور اخلاقی پستی اختتام تک جاری رہتی ہے یہاں تک کہ اختتام اور بھی دل دہلا دینے والا ثابت ہوتا ہے جب باپ بیٹا یہ بھول کر کہ گھر میں میت بھی پڑی ہے، کفن کے پیسوں سے کھاپی کر وہیں نشے سے بدمست ہو کر ناچتے کودتے ہوئے گر جاتے ہیں۔

"سارا مہ خانہ محو تماشا تھا اور یہ دونوں میکش محویت کے عالم میں گائے جاتے تھے پھر دونوں ناچنے لگے، اچھلے بھی، کودے بھی، گرے بھی، مٹکے بھی، بھاؤ بھی بتائے اور آخر نشہ سے بدمست ہو کر وہیں گر پڑے۔"13

"کفن" کے المیاتی اختتام کے حوالے سے ابوالکلام قاسمی اپنی کتاب "تخلیقی تجربہ" میں لکھتے ہیں۔

"اختتام پر راوی ہمیں ایک ایسے موڑ پر لے جا کر یک و تنہا چھوڑ دیتا ہے جہاں بظاہر کہانی ختم ہو جاتی ہے مگر ہم اپنے آپ کو ایک ایسے سناٹے میں پاتے ہیں جہاں بے ضمیری کا مظاہرہ کرنے والے دو کرداروں کا سامنا کرنے کے بعد رد عمل میں سوائے اپنے ضمیر کی آواز کے کچھ اور سنائی نہیں دیتا۔۔۔"14

اختلافات:

۱۔ افسانہ ایک کلی تجربے کا نام ہے۔ یہ پوری زندگی پر بھی مشتمل ہو سکتا ہے، زندگی سے متعلق چند گھڑیوں پر بھی اور زندگی کے طویل دورانیے کو بھی سمیٹے ہوتا ہے۔ افسانہ "کفن" صرف ایک دن کے حالات و واقعات کا منظر نامہ پیش کرتا ہے جبکہ "مندری" زندگی کے طویل دورانیے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

۲۔ افسانہ "کفن" کی کہانی تین حصّوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں کرداروں کی حرکات و سکنات اور گفتگو کی مدد سے ان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں بدھیا کی موت سے دونوں باپ بیٹا پر مرتب ہونے والی حقیقی اور غیر حقیقی اثرات اور کفن کے لیے چندہ جمع کرنے تک کے مختلف مراحل کو بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے حصّے میں باپ بیٹا کا کفن خریدنے کی نیت سے بازار جانا اور وہاں ان کی سماجی و معاشرتی رسم و رواج پر گفتگو کے ذریعے

ان کی غربت و افلاس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے حسی اور بے ضمیری کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ جبکہ "مندری" میں "کفن" کے برعکس تمام کہانی ایک ہی بیانیے پر مشتمل ہے۔ خطِ مستقیم کی طرح کہانی ایک سرے سے شروع ہو کر دوسرے پر ختم ہو جاتی ہے۔

۳۔ "کفن" اور "مندری" میں مکالمہ نگاری قدرے مختلف ہے۔ "مندری" میں تمام کہانی بیانیہ میں ہے۔ مکالمے بہت کم ہیں۔ پوری کہانی میں کل دو تین جگہ مختصر سے مکالموں کے ذریعے کہانی کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ پورا افسانہ روانی کے ساتھ آہستہ آہستہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ "مندری" میں مکالمہ نگاری کی مثال دیکھیں۔

"واہ مندری واہ آج مجھے آ گیا۔ تو واقعی بڑی سندر ہے۔ کل ابا کہہ رہا تھا کہ میں تم سے بیاہ کر لوں۔
تو راجی ہے ناں مندری! مندری چہک اٹھی۔ ابے جو مجھے کی مرجی وہی اپن کی مرجی۔۔۔"15

اس کے برعکس "کفن" میں ساری کہانی مکالمہ نگاری پر مشتمل ہے۔ تمام کردار سادہ انداز میں حقیقی اور واقعی مکالمے ادا کرتے ہیں۔ پریم چند نے کرداروں سے ان کی معاشی حیثیت کے مطابق مکالمے ادا کروائے اس کے لیے اسی سماج کے لب و لہجے اور تلفظ کا بھی التزام کیا جس سے ان کا تعلق ہے۔ ان کے مکالمے انتہائی جاندار ہیں اور اپنے کرداروں کی بھرپور عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ پریم چند نے مکالمہ نگاری کا سہارا لے کر بہت سی سماجی برائیوں کی وضاحت بڑی تفصیل سے کی ہے۔

"جو وہاں ہم لوگوں سے وہ پوچھے گی کہ تم نے ہمیں کچھن کیوں نہیں دیا، تو کیا کہو گے؟"
"کہیں گے تمہارا سر"!
"پوچھے گی تو جرور۔"
تو کیسے جانتا ہے، اسے کچھن نہ ملے گا، تو مجھے ایسا گدھا سمجھتا ہے۔ میں ساٹھ سال دنیا میں کیا گھاس
کھودتا رہا ہوں؟ اس کو کچھن ملے گا اور اس سے بہت اچھا ملے گا، جو ہم دیتے۔"16

۴۔ آغاز کے حوالے سے دونوں افسانے یکسر مختلف ہیں۔ "کفن" میں پریم چند نے تمہید میں ہی المیاتی فضا پیش کر دی جو بعد میں پورے افسانے پر پھیلی ہوئی ہے۔ کفن کا آغاز انتہائی المناک ہے جس میں باپ بیٹا بے فکری سے بجھے الاؤ کے سامنے بیٹھے ہیں جبکہ اندر بیٹے کی جوان بیوی دردِ زہ سے تڑپ رہی ہے۔ دونوں تک اس کی دلخراش چیخیں پہنچ رہی ہیں لیکن کسی قسم کے ردِ عمل کا مظاہرہ کیے بغیر خاموشی سے بیٹھ کر آلو کھاتے رہتے ہیں۔ پریم چند کا کمال ہے کہ انھوں نے "کفن" کی ابتداء ایسے سنگین اور دردناک ماحول سے کی کہ قاری پر ابتداء میں ہی اداسی چھا جاتی ہے اور وہ کسی اچھے موڑ کی تلاش میں کہانی کو تیز رفتاری سے پڑھ ڈالتا ہے۔

"جھونپڑیوں کے دروازے پر باپ اور بیٹا دونوں ایک بجھے ہوئے الاؤ کے سامنے خاموش بیٹھے
ہوئے تھے اور اندر، بیٹے کی جوان بیوی بدھیا دردِ زہ سے بچھاڑیں کھا رہی تھی اور رہ رہ کر اس کے
منہ سے ایسی دلخراش صدا نکلتی تھی کہ دونوں کلیجہ تھام لیتے تھے۔۔۔ جاڑوں کی رات تھی، فضا
سناٹے میں غرق اور سارا گاؤں تاریکی میں جذب ہو گیا تھا۔"17

جبکہ شفیق انجم "مندری" کا آغاز تعارفی انداز میں کرتے ہیں۔ پہلے کرداروں کا تعارف پیش کرتے ہیں پھر رفتہ رفتہ ان کی زندگی کی واردات کو یکے بعد دیگرے پیش کرتے جاتے ہیں۔

"شہر سے ذرا باہر ایک جھونپڑی بنی تھی، جھونپڑی کیا تھی، چار لکڑیاں گاڑ کر اوپر گھاس پھونس
ڈال دیا گیا تھا۔ چماروں کا کنبہ تھا۔ بوڑھا ماجھا، اس کا بیٹا سونا اور ایک لڑکی مندری۔۔۔"18

۵۔ ابتداء میں "مندری" کے مرکزی کردار سست اور کاہل الوجود دکھائی دیتے ہیں لیکن بعد میں وہ متحرک اور زندگی کی دوڑ میں مصروف نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے حالات بدلنے کے خواہاں ہیں۔ سونا اور مندری مل کر محنت کرنے کا تہیہ کرتے ہیں، وہ شہر بھر سے کوڑا اکٹھا کر کے بلدیہ کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں اور اچھی خاصی رقم اکٹھی کر لیتے ہیں لیکن ان کی پیہم کوشش کے باجود وہ معاشرے کی ترقی کی دوڑ میں ناکام رہتے ہیں۔ جب مندری کی بیماری کے لیے سونا دوا لینے جاتا ہے تو پچھلے آٹھ مہینے سے اکٹھی کی ہوئی ساری رقم لمحوں میں ہوا ہو جاتی ہے۔

جبکہ "کفن" میں کردار ساکت اور جامد ہی دکھائی دیتے ہیں۔ ابتداء سے آخر تک ان کی فطرت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ آخر تک قاری کو تجسس رہتا ہے کہ شاید وہ اپنی فطری کمینگی سے باز آجائیں اور ان کے دل میں جذبۂ ترحم پیدا ہو جائے مگر ان میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوتی۔

درج بالا اشتراکات اور اختلافات کو مدِ نظر رکھ کر جب ہم دونوں افسانوں کا مجموعی طور پر جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دونوں افسانے حقیقت نگاری کی نہایت عمدہ مثال ہیں۔ دونوں میں استحصالی معاشرے کی معاشی بدحالی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ غربت انسان کو اتنا بے حس بنا دیتی ہے کہ حلال اور حرام کی تمیز ہی کھو بیٹھتا ہے۔ اور پھر یہ بے حسی معاشرے کے ان ستائے ہوئے عام لوگوں کے اندر انسانی احساسات کو ختم کر کے انھیں حیوانی سطح پر رہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ کفن میں مہاجن جاگیر دار طبقے کا نمائندہ کردار ہے جو غریب سے اس کے تمام حقوق چھین کر مالکِ کل بنا بیٹھا ہے جبکہ مندری میں سرمایہ دارانہ طبقے کا نمائندہ کردار تو موجود نہیں لیکن کہانی کے پس منظر میں اس کی جھلک واضح دیکھی جا سکتی ہے۔

معاشرے میں رہتے ہوئے فرد کو اگر اس کی محنت کے مطابق اجر نہ ملے تو بغاوت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تاہم سرمایہ دارانہ ماحول میں اس بغاوت کو دبا دیا جاتا ہے اور غریب، محنت کش کا اپنی محنت سے بھروسہ ختم ہو جاتا ہے اور ایسے ماحول میں بے حسی کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے۔ اسی لیے جب ان دونوں افسانوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ "کفن" کے کرداروں میں بے حسی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ زندہ رہنے کی خواہش کے بغیر جی رہے ہیں جبکہ "مندری" میں صورتحال اتنی کربناک نہیں اس لیے اس کے کرداروں میں ابھی جینے کی خواہش باقی ہے اور وہ اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرتے ہوئے مزدوری کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

"مندری" اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک معیاری افسانہ ہے۔ افسانے کا اندازِ بیان نہایت سادہ اور رواں ہے۔ اختصار اور موضوع کی پیش کش یقیناً اس افسانے کی کامیابی کی دلیل ہے۔ جس میں انتہائی کم لفظوں میں ایک بڑی سماجی حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

لیکن جب ہم اس کا تقابل "کفن" سے کرتے ہیں تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ افسانہ "کفن" اپنے موضوع، واقعات اور کرداروں کی پیش کش میں لازوال حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں پریم چند نے اپنی فنی، فکری اور تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ جاگیرداروں اور مہاجنوں کے ظلم کے مارے ہوئے، ستائے اور کچلے ہوئے گھیسو اور مادھو کے کرداروں کے ذریعے معاشرے میں پائی جانے والی ناانصافیوں اور کمزوریوں کو بیان کر کے ہماری آنکھوں میں پڑی گرد کو ہٹانے کی کوشش کی ہے۔

پریم چند کا افسانہ "کفن" آفاقی حیثیت اختیار کرتے ہوئے زندہ نثر کا شاہکار نمونہ ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد "کفن" کو ہر لحاظ سے مکمل افسانہ قرار دیتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

"غرض یہ افسانہ پریم چند کے فن کا ہی نہیں۔ اردو افسانہ نگاری کے امکانات کا بھی ایسا مظہر ہے
جس میں نقطہ نظر، عصری منظر اور تکنیک وحدت میں ڈھل گئے ہیں۔"19

مجموعی طور پر یہ بات واضح ہے کہ دونوں افسانوں کا موضوع ایک ہے اور قریب قریب ایک ہی سماجی صورتحال دونوں میں یکساں سطح پر دیکھی جاسکتی ہے۔ ہر دو افسانوں کی تخلیق میں ایک صدی کا زمانی عرصہ حائل ہے۔ اتنے بڑے زمانی منطقے کے بعد صورتحال جوں کی توں ہے۔ پس اس تقابل کی روشنی میں یہ کہنا مناسب ہو گا کہ برصغیر کے سماج میں انجماد، استحصال اور زوال کا سفر آج بھی اسی طرح جاری ہے جیسا عہدِ پریم چند میں محسوس کیا جارہا تھا۔

## حوالہ جات


۱۔ محمد عالم خان، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، 1988ء، ص34۔۳۳۳

۲۔ عبید اللہ خاں، ڈاکٹر، پریم چند کے منتخب افسانے (ترتیب و مقدمہ)، مکتبۂ عالیہ، لاہور، 1979ء، ص240

۳۔ ایضاً

۴۔ شفیق انجم، لکھت لکھتی رہی، فلیپ (ڈاکٹر رشید امجد)، الفتح پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2011ء

۵۔ شفیق انجم، میں + میں، اسلوب، اسلام آباد، 2008ء، ص120

۶۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پورب اکادمی، اسلام آباد، طبع دوم، 2010ء، ص59

۷۔ عبید اللہ خاں، ڈاکٹر، پریم چند کے منتخب افسانے (ترتیب و مقدمہ)، ایضاً، ص236-37

۸۔ شفیق انجم، میں + میں، ایضاً، ص118

۹۔ عبید اللہ خاں، ڈاکٹر، پریم چند کے منتخب افسانے (ترتیب و مقدمہ)، ایضاً، ص234

10۔ شفیق انجم، میں + میں، ایضاً، ص119

۱۱۔ طاہر علی شاہ، سید، اخبارِ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2012ء، ص۸

12۔ شفیق انجم، میں + میں، ایضاً، ص120

13۔ عبید اللہ خاں، ڈاکٹر، پریم چند کے منتخب افسانے (ترتیب و مقدمہ)، ایضاً، ص240

14۔ ابوالکلام قاسمی، تخلیقی تجربہ، (پبلشر ندارد)، دہلی، 1986ء

15۔ شفیق انجم، میں + میں، ایضاً، ص118

16۔ عبید اللہ خاں، ڈاکٹر، پریم چند کے منتخب افسانے (ترتیب و مقدمہ)، ایضاً، ص238

17۔ ایضاً، ص230

18۔ شفیق انجم، میں + میں، ایضاً، ص117

19۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2007ء، ص360


## کتابیات

ابو الکلام قاسمی، تخلیقی تجربہ،(پبلشر ندارد)، دہلی،1986ء

انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2007ء

شفیق انجم، لکھت لکھتی رہی، فلیپ (ڈاکٹر رشید امجد)، الفتح پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2011ء

شفیق انجم، میں + میں، اسلوب، اسلام آباد، 2008ء

طاہر علی شاہ، سید، اخبارِ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2012ء

عبید اللہ خاں، ڈاکٹر، پریم چند کے منتخب افسانے (ترتیب و مقدمہ)، مکتبۂ عالیہ، لاہور، 1979ء

فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پورب اکادمی، اسلام آباد، طبع دوم، 2010ء

محمد عالم خان، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، 1988ء